© rasailojaraid.com



# علمِ قرأت عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں

ظفرالاسلام اصلاحی

قرآن کریم انسان کے لیے ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ، ابدی حقائق کا لازوال خزانہ اور علوم ومعارف کا لامتناہی گنجینہ ہے۔ اس میں غور وفکر کرنا اور اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہدایت کی راہیں کھولتا ہے اور اسے پڑھنا وتلاوت کرنا خیر وبرکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ جس طرح اس میں تدبر وتفکر اور اس کے مطالب کو سمجھنے کے کچھ اصول وآداب ہیں اسی طرح اس کی تلاوت وقرأت کا حق ادا کرنا بھی متعینہ اصول وضوابط کی پابندی پر منحصر ہے۔ انہی اصول وضوابط کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کا طریقہ جب فن کی صورت اختیار کر لیتا ہے تو اسے علم قرأت یا تجوید سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں اس علم کی تعریف کی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحتِ مخارج اور درستگیٔ تلفظ کے ساتھ قرآن کریم کو بایں طور پر پڑھا جائے کہ اس کے الفاظ کا ظاہری حسن نہ صرف برقرار رہے بلکہ اچھی طرح واضح ہوجائے۔ اسی لیے اس علم کو تلاوت کا زیور اور قرآن کی زینت سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1] اس کی اہمیت اور فضیلت کے ثبوت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کافی ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو اس کے زمانۂ نزول کی تروتازہ کیفیت کے ساتھ پڑھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود کی قرأت اختیار کرے جنہیں تجوید قرآن اور اس کی تحقیق وترتیل کا خصوصی ملکہ عطا ہوا تھا۔[2]

---

* یہ مقالہ نظامت سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام منعقدہ (بہ تاریخ ۱۷-۱۸ مارچ ۱۹۹۰ء) کل ہند قرأت کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا، ترمیم واضافہ کے بعد اسے یہاں شایع کیا جارہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بھی قرآن کریم کے اہم فیوض و برکات میں شامل ہے کہ خود اس سے متعلق متعدد علوم کو وجود و فروغ ملا اور یہ بالواسطہ بہت سے علوم و فنون کی توسیع و ترقی کا باعث بنا۔ فنِ تجوید یا علم قرأت کو اول الذکر نوعیت کے علوم میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ علم اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ عہدِ نبوی[1] میں ہی اس کی داغ بیل پڑی اور بعد کے دَور میں اس کی آبیاری میں بھرپور دلچسپی لی گئی اور اس کی ترویج و ترقی کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اس کے لیے تدریس و تعلیم اور تصنیف و تالیف کے مختلف ذرائع اختیار کیے گئے۔ اس موضوع پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ کب سے شروع ہوا اس بارے میں مورخین و تذکرہ نگاروں کی مختلف رائیں ملتی ہیں۔ مزید براں قرأتوں کے اختلاف کا مسئلہ اور فنِ قرأت میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے قرأت کی اولین کتاب کا معاملہ اور زیادہ مختلف فیہ ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر ابوعبید قاسم بن سلام نے مختلف قرأتوں کو جمع کر کے ایک کتاب مرتب کی اسی کی بنیاد پر بعض مورخین و تذکرہ نگاروں نے علم قرأت کے موضوع پر انہیں پہلا مصنف قرار دیا جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب علم قرارت یا فن تجوید کے بجائے اختلاف قرأت سے تعلق رکھتی ہے۔ بہر حال مورخین و تذکرہ نگاروں کے اختلاف رائے کے نتیجہ میں علم قرارت کے موضوع پر اولین قلم کاروں کے جو نام سامنے آتے وہ یہ ہیں: امام کسائی[2] (متوفی ۸۰۵ء)، یحییٰ بن یعمر[4] (م ۸۹ھ)، ابان بن تغلب[5] (م ۱۴۱ھ)، مقاتل بن سلیمان[6] (م ۱۵۰ھ)، ابوعمرو بن العلاء[7] (م ۱۵۵ھ)، ہارون بن موسیٰ[8] (م ۱۷۰ھ)، ابوعبید قاسم بن سلام[9] (م ۲۲۴ھ)، ابوعمر حفص بن عمر دوری[10] (م ۲۴۶ھ) اور موسی بن عبید اللہ الخاقانی[11] (م ۳۲۵ھ)۔ ان مختلف اقوال سے بہرحال مشترکہ طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس میدان میں تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں کا سلسلہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے شروع ہوا۔ علم قرأت پر اولین کتاب کی بابت اختلاف رائے کے باوجود اس پر تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ متقدمین میں اس فن کے امام ابوالقاسم الشاطبی[12] (متوفی ۱۱۹۴ء) اور محمد بن محمد الجزری[13] (متوفی ۱۴۲۹ء) گذرے ہیں۔ انھوں نے عملی طور پر اس علم کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ اپنی تصنیفی و تالیفی صلاحیتوں کو بھی اس کی تشریح و توضیح اور ترویج میں استعمال کیا۔ اس میدان میں نمایاں تصنیفی کارنامے انجام دینے والوں میں پانچویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مفسر قرآن مکی بن ابی طالب (متوفی ۴۳۷ھ/۱۰۴۵ء) ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ اس موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پر ان کی متعدد تصانیف ملتی ہیں جن میں سب سے اہم "معانی القراءات" اور "الرعایۃ لتجوید القراءۃ" کے نام سے جانی جاتی ہیں[۱۴]۔

عہد وسطیٰ کا ہندوستان یا مسلم حکومت کا زمانہ سیاسی حیثیت سے اہمیت رکھنے کے علاوہ مختلف علوم وفنون کی ترقی کے لیے بھی معروف ہے۔ علم دوستی و معارف پروری کی جو روشن روایت مسلم حکمرانوں نے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قائم کی تھی اسے عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں مسلم سلاطین وملوک نے نہ صرف باقی رکھا بلکہ اسے اس قدر ترقی دیا کہ اس وقت کا ہندوستان بالخصوص دارالسلطنت دہلی پوری اسلامی دنیا کے اہل علم وفن کے لیے مرجع وماویٰ بن گیا اور مختلف علوم وفنون کی ترویج واشاعت کا مرکز قرار پایا۔ معاصر مورخین واضح الفاظ میں اس کی شہادت پیش کرتے ہیں[۱۵]۔ ان علوم وفنون میں یقینی طور پر قرآنی علوم بھی شامل تھے جیسا کہ اس موضوع پر خاکسار کے تفصیلی مطالعہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے[۱۶]۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ علوم قرآنیہ میں علم قرأت کو ایک کلیدی واساسی حیثیت حاصل ہے۔ اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں اس علم کی ترویج وترقی میں مختلف نوع کی قابل ذکر خدمات انجام دی گئیں جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

ناظرہ قرآن اسلامی نظام تعلیم کا لازمی جز ہے اور اس کا اہتمام ہر دور میں کیا جاتا رہا ہے۔ اس ضمن میں ہندوستان میں مسلم حکومت کا زمانہ کوئی استثنائی حیثیت نہیں رکھتا لیکن یہ وضاحت اہمیت سے خالی نہیں کہ اس وقت صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھانے پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ مکاتب ومدارس اور انفرادی مراکز میں قرآن پڑھانے کے لیے جو اساتذہ مامور ہوتے تھے وہ قرأت یا فن تجوید کے ماہر ہوتے تھے اور ان کے لیے "مقری" کی خاص اصطلاح رائج تھی[۱۷]۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس دور میں اچھا قرآن پڑھنے والے کے لیے ایک دوسری اصطلاح "قرآن خواں" بھی مستعمل تھی۔ اس زمانہ میں علم قرأت میں عمومی دلچسپی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے میں مہارت کی وجہ سے بعض سلاطین وامرا بھی "قرآن خواں" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ معاصر تاریخوں میں یہی لقب سلطان قطب الدین ایبک (۱۲۰۶۔۱۲۱۰ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔[۱۸] مزید براں عہد فیروز شاہی (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے ایک ممتاز امیر اور اہم عہدہ دار (سامانہ و بدایوں کے گورنر) ملک قبول بھی اسی لقب سے ملقب کیے گئے ہیں۔[۱۹] اسی نسبت سے ان کی ایما سے ترتیب دیا گیا فتاوی کا مجموعہ "فتاوائے قرآن خوانی" کے نام سے معروف ہوا۔[۲۰] گرچہ بعض ذخائرِ کتب کے فہرست نگار اور جدید اسکالرس غلط طور پر اسے "فتاوائے قراخانی" کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔[۲۱] اچھی آواز یا حسنِ قرارت کے ساتھ قرآن پڑھنے والے کے لیے مقری و قرآن خواں کے علاوہ ایک تیسرا لفظ "خوش خواں" بھی مستعمل تھا جیسا کہ امیر حسن سجزی نے شیخ نظام الدین اولیاء کے ایک عزیز اور ماہر قرارت مولانا قاسم کے لیے استعمال کیا ہے۔[۲۲]

معاصر تاریخی کتب اور تذکروں میں "مقری" کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ اس سے جہاں ایک جانب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فنِ قرارت میں مہارت رکھنے والے اس وقت کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے۔ دوسری جانب اس سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ اس فن کے سیکھنے وسکھانے میں کافی دلچسپی لی جاتی تھی اور اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ حکومت کی جانب سے اس کا اہتمام اس امر سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جہاں مکاتب و مدارس میں اساتذہ کی تقرری اور حکومت کے خزانہ سے ان کو مشاہرہ دیئے جانے کا ذکر ملتا ہے وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ ان اداروں میں ایسے استاذ مقرر کیے جاتے تھے جو بچوں کو قرارت و کتابت سکھاتے تھے۔[۲۳] اسی طرح سلاطینِ دہلی ہمت افزائی کے طور پر اہلِ علم وفن پر جو انعام واکرام کرتے تھے اس سے متعلق بعض مآخذ میں صاف طور پر اہلِ قرارت کا حوالہ ملتا ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک کے تذکرہ میں تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے الفاظ یہ ہیں "ادرارات و مشاہرات کہ مستحقان از اہل علم و فقہ و قرارت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم برحال داشتن فرمود"۔[۲۴] سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۱۲۸۶ء) نے شہزادہ بغرا خاں کو جہاں بہت ساری نصیحتیں کی تھیں وہیں اس نے یہ بھی اس کے گوش گذار کیا تھا کہ وہ اپنی حکومت کے مرکز کو علماء و مشائخ، علم تفسیر و حدیث کے ماہرین، حفاظ قرآن، مقریان اور واعظین و خطباء سے آباد رکھیں گے۔[۲۵]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہاں ایک اہم سوال یہ ابھرتا ہے کہ عہد زیر بحث میں ماہرین قرارت کی کثرت اس فن کے استادوں کی بہتات اور اس کے سیکھنے سکھانے کے رواج کے باوجود اس عہد کے نصاب تعلیم میں اس مضمون کا ذکر شاذو نادر ہی ملتا ہے حتی کہ عہد جدید کے بعض علماء و دانشوروں نے اس زمانہ کے نصاب تعلیم اور اس کے عہد بہ عہد ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ ان کی پیش کردہ تفصیلات بھی اس مضمون کے ذکر سے خالی ہیں[26]۔ اس کی مختلف توجیہات پیش کی جاسکتی ہیں۔

اول یہ کہ نصاب تعلیم کی تفصیلات بالعموم مدارس کی سطح کی تعلیم یا اعلیٰ درجات سے متعلق ملتی ہیں اور یہ فن مکاتب یا تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں سکھایا جاتا تھا یا مساجد میں حفظ کے ساتھ اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں مکاتب و مدارس کی بہ نسبت تعلیم کے انفرادی مراکز زیادہ مقبول تھے۔ استادانِ فن اور ماہرینِ علم اپنے اپنے مقام پر درس و تدریس کی مجلسیں منعقد کرتے تھے اور تشنگانِ علم اپنی دلچسپی اور اس وقت کے تقاضے کے مطابق متعلقہ فن کے استاد سے فیضیاب ہوتے تھے اور یہ بات بدیہی ہے کہ اس غیر رسمی لیکن اہم نظام تعلیم کا کوئی باضابطہ یا مقررہ نصاب نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے اس زمانہ کے علماء و فضلاء کے تذکروں میں اس صراحت پر خاص زور دیا جاتا ہے کہ فلاں عالم نے فلاں استاد سے فلاں مضمون یا فن کی تعلیم حاصل کی اور یہ وضاحت کم ملتی ہے کہ فلاں نے فلاں مدرسہ سے فراغت حاصل کی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس زمانہ کے کسی بھی مدرسہ کی درسیات کے ضمن میں علم قرأت کا ذکر نہیں ملتا۔ کم از کم عہد فیروز شاہی کے سب سے بڑے تعلیمی مرکز "مدرسہ فیروز شاہی[27]" میں پڑھائے جانے والے مضامین میں قرأت کا ذکر صاف طور پر ملتا ہے[28]۔ یہاں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ اس مدرسہ کے مہتمم یا پرنسپل مولانا جلال الدین رومی کے بارے میں یہ واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ قرارت سبعہ سے بھی بخوبی واقف تھے :

راوی ہفت قرارت سند چار دہ علم     شارح پنج سنن مفتی مذہب ہر چہار[29]

ان تفصیلات سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس علم کی ترویج و اشاعت میں ماہرین قرارت کی انفرادی کوششوں کے علاوہ اس عہد کے تعلیمی اداروں میں بھی اس کی تعلیم کا اہتمام جاری رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ دیگر علوم کے ماہرین کے مثل علم قرارت میں عبور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



رکھنے والے بھی قلمرو سلطنت کے مختلف حصوں میں پائے جاتے تھے۔ اس کی ایک جھلک اس سے ملتی ہے کہ مسلم حکومت کے قیام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں ہی صرف عام قاری نہیں بلکہ قراءتِ سبعہ کے ماہرین بعض غیر معروف مقامات پر بھی دستیاب تھے۔ جیسا کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۲ھ / ۱۲۶۲ء) کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ انھوں نے کوٹ کروڑ جیسی چھوٹی جگہ میں سات طرز سے قراءت سیکھی تھی۔[۳۰] مشہور چشتی بزرگ شیخ حمید الدین ناگوری (م ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء) ناگور کے ایک گاؤں سوال میں سکونت پذیر تھے وہاں کی مسجد میں حفظ قرآن کا خاص اہتمام تھا اور فن قراءت پر بھی خاص زور دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو جمعہ کے دن خاص طور پر وہاں بھیجتے تھے تاکہ وہاں کچھ وقت گذاریں اور حفاظ کے طرز قراءت سے روشناس ہوسکیں اور یہ دیکھیں کہ:

حافظاں چگونہ قرآں می خوانند مد و تشدید چگونہ نگاہ می دارند[۳۱]

اس سے بھی اہم یہ کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے بدایوں میں جس شخص سے قرآن شریف پڑھا تھا وہ شادی مقری نام کے نومسلم غلام تھے اور قراءاتِ سبعہ سے واقف تھے۔ انھوں نے یہ فن خود اپنے آقا سے سیکھا تھا جو لاہور کے رہنے والے تھے اور خواجگی مقری کے نام سے معروف تھے۔[۳۲]

یہاں یہ ذکر بے موقع نہ ہوگا کہ صوفی لٹریچر میں قراءت سیکھنے سکھانے کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ ان سے یہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیاء کے یہاں اس کی تعلیم و تمرین کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی خانقاہوں میں مختلف طریقے سے اس علم کو رواج دینے کی کوشش کرتے تھے۔ اس علم میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ حمید الدین ناگوری کی دلچسپی کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کے بارے میں یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور قراءت کے اصول و ضوابط بھی سکھاتے تھے۔[۳۳] شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں ترتیل اور اچھی آواز کے ساتھ قرآن پڑھنے پر خاص زور ملتا ہے۔[۳۳الف] شیخ کے بارے میں یہ مذکور ہوچکا ہے کہ انھوں نے اپنے بچپن میں اس فن کے ایک ماہر شادی مقری سے قرآن شریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پڑھا تھا لیکن جب وہ شیخ فریدالدین گنج شکر کے حلقۂ ارادت سے منسلک ہوئے تو مرشد نے اسے کافی نہیں سمجھا اور انھوں نے خود انھیں صحیح تلفظ اور صحت مخارج کے ساتھ قرآن پڑھنا سکھایا اور مکمل چھ پارے فن تجوید کے ساتھ انھیں پڑھایا۔[۳۴]

مزید براں شیخ نظام الدین اولیاء کے بیان کے مطابق ان کے مرشد کی خانقاہ حافظوں سے بھری رہتی تھی[۳۵] اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی خانقاہ میں اس علم کی ترویج کا عمومی ماحول قائم تھا۔ اپنے مرشد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی اپنی خانقاہ میں اس فن کی تعلیم کا اہتمام جاری رکھا۔ انھوں نے ان تمام بچوں کے لیے جو ان کی نگرانی میں حفظ قرآن کا انتظام کیا اور اس کے لیے ایک ماہر قراءت مولانا علاء الدین اندپتی کو مامور کیا۔[۳۶] بعض ماخذ میں یہ بھی مذکور ہے کہ سلطان المشائخ کی خانقاہ میں دسترخوان کی یہ روایت جاری ہوئی کہ کھانا شروع ہونے سے قبل کوئی قاری کچھ آیتیں تلاوت کرتا تھا اور حاضرین اس سے محظوظ ہوتے تھے۔ یہ خدمت انہیں لوگوں میں سے کوئی انجام دیتا تھا جو شیخ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر قراءت میں مہارت حاصل کر لیتے تھے اور یہ مختصر قراءت "دعاء مائدہ" کے نام سے جانی جاتی تھی۔[۳۷] مزید یہ کہ ہندوستان میں علماء و مشائخ کے حلقوں میں وعظ و تقریر سے پہلے تلاوت قرآن پاک اور متلو آیت کو عنوان بنا کر تقریر شروع کرنے کی روایت اسی زمانہ سے جاری ہے۔ اس عمل سے قرآن کریم سے حصول برکت کے علاوہ علم قراءت کو بھی رواج ملتا تھا۔

عہد زیر بحث میں فن قراءت یا تجوید کے جو ماہرین پائے جاتے تھے اور جنھوں نے اس کی ترویج و ترقی کو خواہ انفرادی مراکز کے ذریعہ ہو یا مکاتب و مدارس کی وساطت سے اپنا مشغلہ بنایا ان میں سے چند کا خصوصی تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ان کے بارے میں مورخین و تذکرہ نگاروں کے خیالات و تاثرات سے واقفیت ہو سکے اور یہ اندازہ بھی لگایا جا سکے کہ اس وقت اس علم سے کس حد تک دلچسپی پائی جاتی تھی اور اس فن کے کیسے کیسے ماہرین اس زمانہ میں موجود تھے۔

ہندوستان میں مسلم حکومت کے پہلے حصہ میں جو عہد سلطنت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



متعدد علماء "مقری" کے لقب سے معروف ہوئے۔ اس عہد کے اولین مقریوں میں مولانا قاسم کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہم عصر شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے دامنِ تربیت سے وابستہ تھے۔ یہ فنِ تجوید کی تعلیم دینے کے علاوہ اپنے مرشد کی مجلس میں آغازِ وعظ کے وقت حاضرین کو اپنی قرارت سے محظوظ کرتے تھے جیسا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے بچپن کے واقعات میں شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی تذکیری مجلس اور مولانا قاسم مقری کی قرارت کا خصوصی ذکر کیا ہے۔[۳۸] سلطان علاء الدین خلجی کا زمانہ (۱۲۹۶ـ۱۳۱۶ء) علمی و تمدنی ترقی کے لیے مشہور ہے۔ دیگر علوم کے ساتھ علم قرارت کے متعدد ماہرین اس عہد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو باقاعدہ مقری کے لقب سے معروف ہوئے مثلاً مولانا علاء الدین مقری، مولانا حمید مقری اور مولانا لطیف مقری، ان کے علاوہ جو حضرات اس فن میں ممتاز ہوئے ان میں مولانا جمال الدین شاطبی اور خواجہ زکی الدین دہلوی کے نام شامل ہیں۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ یہ عہدِ علائی کے ان ماہرینِ قرارت کا ذکر ہے جو دارالسلطنت دہلی کو زینت بخشے ہوئے تھے اور قرارت و دیگر علوم کے میدان میں دوسروں کو مستفید کرتے رہے۔ فنِ تجوید میں ان حضرات کے امتیاز و اختصاص کا اندازہ لگانے کے لیے معاصر مورخ ضیاء الدین برنی کا یہ بیان کافی ہے کہ "مثل ایشاں در خراساں و عراق نشان ندادہ اند"[۳۹] (خراسان و عراق میں بھی ان کے ہمسر نہیں پائے جاتے)۔ ان کے علاوہ عہد سلطنت میں اس علم کی اشاعت و ترقی میں حصہ لینے والوں میں خواجگی مقری، شادی مقری، شہاب الدین مقری اور علاء الدین اندپتی قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے اول الذکر دو مقریوں کا مختصر بیان پہلے گذر چکا ہے۔ علاء الدین مقری کے بارے میں بھی یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں بچوں کو حفظ کرانے و قرارت سکھانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ شہاب الدین مقری تعلق سلاطین کے عہد حکومت سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء کے ارادت مندوں میں سے تھے اور فنِ تجوید میں اپنی مہارت کے لیے مشہور تھے۔ صاحب سیر الاولیاء کے بیان کے مطابق ان کی آواز "لحن داؤدی" کا اثر رکھتی تھی اور ان کی قرارت سن کر شیخ نظام الدین اولیاء پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے سلطان المشائخ نے انہیں امامتِ نماز کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خدمت سپرد کی تھی جو تاحیات جاری رہی[۴۰]۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے معاصر مولانا جلال الدین رومی اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ اس فن میں بھی یکتا تھے جیسا کہ ان کے بارے میں یہ تصریح کی جا چکی ہے کہ وہ قراءات سبعہ میں درک رکھتے تھے۔

پندرہویں صدی عیسوی یا لودی خاندان کے زمانۂ حکومت (۱۴۵۱ - ۱۵۱۷) میں اس فن کے ماہر محمد بن محمود دقری اور ان کے شاگرد راجح بن داؤد احمد آبادی (م ۱۴۹۸ء) گزرے ہیں[۴۱]۔ سولھویں صدی عیسوی کے نصف اول کے دو ماہرین قراءت سلیمان بن عفان مندوی (م ۱۵۳۷ء) اور عبدالملک غزنوی (م ۱۵۴۹ء) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر مغل بادشاہ ہمایوں (۱۵۳۰ - ۱۵۳۹، ۱۵۵۴ - ۱۵۵۶ء) کے ہم عصر تھے۔ ان سے فن قراءت میں استفادہ کرنے والوں میں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۱۵۳۸ء) شامل تھے۔ صاحب اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ میں "دی در فن تجوید قرآن یگانۂ عصر بود"[۴۲] (وہ فن تجوید میں یکتائے زمانہ تھے)۔ عبدالملک غزنوی کا اصل وطن غزنہ تھا جیسا کہ نسبت سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ علم دوست سلطان سکندر لودی (۱۴۸۸ - ۱۵۱۷ء) کی درخواست پر وارد ہند ہوئے اور اسلام شاہ کے زمانہ (۱۵۴۵ - ۱۵۵۲ء) تک مختلف علوم و فنون کی اشاعت میں مصروف رہے۔ علم قراءت میں ان کی مہارت سے بھی بہت سے لوگ فیضیاب ہوئے[۴۳]۔ اسلام شاہ کے عہد ہی میں میر سید محمد مکی نے فن قراءت میں امتیاز حاصل کیا۔ قراءت کے سات مشہور طرز سے وہ بخوبی واقف تھے۔ ممتاز مورخ اور عالم عبدالقادر بدایونی نے ۱۵۵۱ء میں سنبھل میں انھیں سے قراءت سیکھی تھی[۴۴]۔ انہی کے قریب العصر سندھ کے ایک عالم قاضی قاضن بھکری (م ۱۵۵۱ء) مشہور قاری و عالم گزرے ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ کے لیے انھوں نے بھکر کے قاضی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ بقول صاحبِ تذکرہ علماء ہند "سرآمد علماء وقت بالواع فضائل، حفظ قرآن و علم قراءت نیکو آراستہ بود"[۴۵]۔

عہدِ اکبری (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء) میں اس میدان میں نمایاں مقام حاصل کرنے والوں میں شیخ بھیکن کاکوروی (م ۱۵۷۳ء)، سیف الدین کاکوروی، شیخ حمزہ لکھنوی اور عبدالقادر مندوی (م ۱۵۷۷ء) شامل ہیں۔ اول الذکر قراءت کے سات مشہور طریقوں سے حافظ تھے اور فنِ قراءت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کی ایک اہم کتاب "شاطبیہ" کا درس ان کے روزمرہ کے معمول میں شامل تھا[۴۶]۔ انھیں کے ہم وطن سیف الدین کاکوروی نے اس فن میں مہارت حاصل کی اور بہت سے لوگ ان سے مستفید ہوئے[۴۷]۔ شیخ حمزہ لکھنوی قرآن کریم کی تلاوت سے خصوصی شغف رکھنے اور حسن قرارت کے لیے معروف ہوئے[۴۸]۔ عبدالقادر مندوی چشتی سلسلہ کے ایک صوفی تھے اور فن تجوید میں اپنی مہارت کے لیے بھی ممتاز ہوئے[۴۹]۔ لیکن اکبر کے معاصرین میں اس فن میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کرنے والے شیخ مبارک ناگوری (م ۱۵۹۳ء) اور شیخ منور لاہوری (م ۱۶۰۲ء) ہیں۔ شیخ مبارک ناگوری کے بارے میں بصراحت یہ مذکور ہے کہ انھوں نے قرارت کے دس طریقوں کے مطابق قرآن حفظ کیا تھا اور اس علم سے متعلق امام شاطبی کی مشہور کتاب "حرز الامانی" (معروف بالشاطبیہ) زبانی یاد تھی، مزید یہ کہ وہ اس کتاب کا درس بھی دیتے تھے[۵۰]۔ ان شواہد سے اس علم میں ان کی گہری دلچسپی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ منور لاہوری قرارات سبعہ کے ماہرین میں سے تھے۔ علم قرارت کے علاوہ فن تفسیر میں بھی انھیں امتیاز حاصل تھا۔ "درر التنظیم فی ترتیب الآی والسور الکریمہ" نامی ایک تفسیر کی تالیف بھی ان سے منسوب ہے جس میں نظمِ قرآن کے پہلو پر خاص زور دیا گیا ہے[۵۱]۔

عہد شاہجہانی (۱۶۲۷-۱۶۵۸ء) کے ممتاز علماء قرارت میں شیخ ابو المعانی (م ۱۶۴۳ء) شامل تھے۔ اس فن میں ان کی مہارت کی شہرت شاہی دربار تک پہنچی تو بادشاہ کی جانب سے دربار میں اس فن کے مظاہرہ کی فرمائش ہوئی، حسن اتفاق سے رمضان کا مہینہ تھا اور اسی کی مناسبت سے انھوں نے آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ..... کی قرارت پیش کی۔ ان کی قرارت سُن کر بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی اور اس سے اس قدر محظوظ ہوئے کہ دوبارہ قرارت کی فرمائش کی۔ بادشاہ نے آخر میں انھیں "شمس القرار" کے خطاب سے نوازا اور بگدام سے ملحق ایک قریہ بطور مدد معاش مرحمت فرما کر انھیں رخصت کیا[۵۲]۔ علم قرارت میں شیخ ابو المعانی کی مہارت کے علاوہ اس واقعہ سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ سلاطین وملوک کے دربار میں بھی خوش الحان قاریوں کی پذیرائی و قدر افزائی ہوتی تھی یہ یقیناً اس علم کی ترویج و اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہوگی۔ اورنگ زیب عالمگیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(۱۶۵۸ء۔ ۱۷۰۷ء) کے عہد میں علمِ قرارت کے ماہرین میں خصوصیت سے حافظ ابراہیم اور حافظ ضیاء اللہ بلگرامی (م ۱۶۹۷ء) قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر عالمگیر کے استادوں میں سے تھے اور فنِ تجوید کے ساتھ ساتھ علم تفسیر و حدیث میں بھی ممتاز تھے۔ انھوں نے درس و تدریس کے ذریعہ ان علوم کی اشاعت کی خدمت انجام دی[۵۳]۔ حافظ ضیاء اللہ بلگرام کے سادات اور وہاں کے نامور علماء میں سے تھے۔ حافظ و قاری ہونے کے علاوہ عربی و فارسی زبان کے ماہر بھی تھے ان کا خاص شغلہ درس و افادہ تھا[۵۴]۔ ان کے لڑکے سید احمد بھی فن تجوید میں مہارت اور حسنِ قرارت کے لیے معروف تھے[۵۵]۔ بلگرام ہی کے ایک دوسرے عالم سید عبدالواحد (م ۱۷۴۸ء) بھی اس فن کے ماہر گذرے ہیں۔ یہ اٹھارویں صدی عیسوی کے ایک مشہور عالم سید طفیل محمد اترولوی کے شاگردوں میں سے تھے۔ علم قرارت سے ان کے خصوصی شغف پر اس امر سے واضح شہادت ملتی ہے کہ انھیں "شاطبیہ" زبانی یاد تھی[۵۶]۔

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں علم قرارت و فن تجوید میں دلچسپی اور اس میدان میں معاصر علماء و قراء کی خدمات صرف اس علم کے سیکھنے سکھانے، اس کی درسیات میں انہماک اور بعض قدیم کتابوں کے ازبر کر لینے تک محدود نہ تھیں بلکہ اس فن کے ماہرین نے اسے تصنیف و تالیف کا موضوع بنا کر بھی اس کی نشر و اشاعت کی، لیکن اس ضمن میں یہ امر تعجب خیز ہے کہ اس عہد کے پہلے حصہ (عہد سلطنت) میں اس موضوع پر کسی تالیف کا ثبوت نہیں مل پاتا ہے۔

عہد مغلیہ کے ہندوستان میں اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۶۴۲ء) سے منسوب ہے۔ اس کا نام "الدر الفرید فی القراءۃ والتجوید" ہے۔ معاصر تاریخی کتب و تذکروں میں اس کا حوالہ نہیں ملتا لیکن بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس کا بہ صراحت ذکر کیا ہے[۵۷]۔

اس عہد میں درسیات کی اہم و مقبول کتابوں کی شرح لکھنے کا عام رواج تھا۔ اس ضمن میں قرارت کی درسیات کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا جیسا کہ اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں کہ مذکورہ کتاب کی تالیف سے قبل ہی اکبر کے عہد میں الشاطبیہ کی فارسی شرح لکھی گئی۔ اس کے لکھنے والے شیخ محمد صدیقی کاکوروی تھے[۵۸]۔ اسی شرح کے بارے میں الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ تقریباً ستر جلدوں (زہاء سبعین جلداً) پر مشتمل ہے[۵۹]۔ لیکن انھوں نے اپنے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بیان کی تائید میں کسی معاصر یا غیر معاصر ماخذ کا حوالہ نہیں پیش کیا ہے۔ یہ بیان کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ معاصر مورخ بدایونی نے اس شرح کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ تقریباً ستر جز میں لکھی ہوئی تھی (شیخ محمد شرحی فارسی بر شاطبی نوشتہ قریب بہفتاد جزو)۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بدایونی کی منتخب التواریخ کے انگریز مترجم (مسٹر ڈبلیو، ہیگ) نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ یہ شرح تقریباً ستر دستہ کاغذ پر مشتمل تھی۔[۵۹ الف]

بادشاہ جہانگیر کے زمانۂ حکومت (۱۶۰۵-۱۶۲۷ء) میں نور الدین محمد القاری نے "مقصود القاری" کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب مرتب کی اور اسے بادشاہ کے نام معنون کیا۔[۶۰] اس فن میں عہد شاہجہانی کی یادگار تالیف "خلاصۃ القراءۃ" ہے جو قاسم جونپوری سے منسوب ہے۔ یہ نو ابواب میں منقسم اور بادشاہِ وقت کے نام معنون بھی ہے۔[۶۱] دوسرے دینی علوم و فنون کے مثل علم قرارت کے میدان میں بھی تصنیفی و تالیفی خدمات کے اعتبار سے اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اس موضوع پر اس عہد میں متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں چار خصوصی ذکر کی مستحق ہیں۔ مفید القرار[۶۲]، حلیۃ القاری[۶۳]، نجاۃ القاری[۶۴] اور رسالہ علم تجوید[۶۵]۔ ان کے مصنفین بالترتیب نعمۃ اللہ لاہوری (سن تکمیل ۱۶۷۶ء)، احمد بن رکن الدین الحسینی (سن تکمیل ۱۶۸۴ء) میر سید علی الحنظلانی اور ملا جیون (م ۱۷۱۸ء) ہیں۔ ان تمام میں "مفید القرار" خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ چودہ ابواب پر مشتمل ہے اور باب اول میں علم قرارت و قرارات سبعہ سے متعلق مفید معلومات پیش کی گئی ہیں۔ "نجاۃ القاری" اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ اورنگ زیب کے نام معنون ہے۔ عہدِ عالمگیری ہی میں ایک شیعی عالم شیخ احمد بن رضا حیدر آبادی نے بھی اس موضوع پر "رسالہ فی القراۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ لیکن ان کا سن وفات یا اس کتاب کا سن تکمیل معلوم نہیں ہو پایا ہے۔ صرف یہ ثبوت ملتا ہے کہ ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں وہ ہندوستان منتقل ہوئے۔[۶۶] مصنف کو حدیث و علم اسماء الرجال میں بھی خصوصی درک حاصل تھا اور اس موضوع سے متعلق بھی ان کی کتابیں ملتی ہیں۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں "معرفۃ القرارۃ" کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی گئی۔ اس کے لکھنے والے عبدالرحیم بن یوسف تھے۔[۶۷] مصنف کے بارے میں مزید معلومات فراہم نہیں ہو پائی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں علم قراءت و فن تجوید میں خاطر خواہ دلچسپی لی گئی اور اس فن میں مہارت رکھنے والوں کی اس وقت کمی نہ تھی بلکہ ایسے ایسے ماہرینِ فن موجود تھے جنہیں قراءت کے مختلف طریقوں (جو قراءات سبعہ یا عشرہ کے نام سے معروف ہیں) کے مطابق قرآن حفظ تھا۔ مزید یہ کہ کچھ ایسے شائقین و اہل ذوق بھی پائے جاتے تھے جنھوں نے اس فن پر امام شاطبی کی مشہور منظوم کتاب (مشتمل بر ۱۱۷۳ ابیات) اول تا آخر ازبر کر لیا تھا۔ اوپر کے مباحث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس علم کی نشر و اشاعت کے لیے معاصر علماء و فضلاء اور ماہرینِ قراءت نے مختلف ذرائع (درس و تدریس اور تصنیف و تالیف وغیرہ) اختیار کیے۔ اس کی ترویج میں انفرادی کوششوں کے علاوہ حکومت کی سرپرستی اور سلاطین و ملوک کی معارف پروری کا بھی حصہ رہا ہے۔ اس فن کی درسیات میں "الشاطبیہ" کو اس زمانہ میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ متعدد علماءِ وقت اس کتاب کی تشریح و توضیح کا خصوصی ملکہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض نے اس کے درس کو خصوصی مشغلے کے طور پر اختیار کر رکھا تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قراءت و تجوید کا موضوع عہدِ زیرِ بحث میں کچھ کم پسندیدہ نہیں رہا ہے۔ اوپر کے مباحث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ معاصر ماہرین فن و اہل قلم نے اس سے متعلق متعدد تصنیفات و تالیفات پیش کیں اور بعض قدیم کتبِ قراءت کی شرحیں بھی مرتب کیں۔ الشاطبیہ کی مقبولیت کے پیشِ نظر شرح کے لیے بھی اسی ماخذ کو زیادہ ترجیح دی گئی۔

## حواشی و مراجع

لہ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعہ حجازی، القاہرہ، ۱۳۶۸ھ، ۱/۱۰۲-۱۰۳؛ حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون، استنبول، ۱۹۴۱ء، ۱/ ۳۵۳-۳۵۴، عدنان ازرزر، علوم القرآن، بیروت، ۱۹۸۴ء، ص ۱۸۳، راغب الطباخ، تاریخ افکار و علوم اسلامی (اردو ترجمہ: افتخار احمد بلخی)، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۳ء، ۱/ ۲۱۷-۲۲۳

۲ہ احمد بن حنبل، المسند (تحقیق احمد محمود شاکر)، دارالمعارف، مصر، ۱۹۴۹ء، ۱/ ۱۷۰، (باب اول،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت ہے۔ (۳۴)

۳ے محمد عبدالحلیم چشتی، مقدمہ اردو ترجمہ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، اصح المطابع، کراچی، (بدون تاریخ)، ص۱

۴ے FUAT SEZGIN, <u>GESCHICHTE DIS ARABISCHEN SCHRIFTTUMS</u>, E.J. BRILL, LEIDEN, 1967, I/5

۵ے ابن الجزری، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، ج. برجستراسہ، مکتبۃ الخانجی، مصر، ۱۳۵۱ھ، ۱/۴، عبدالحلیم چشتی، ص۷۰-۷۱

۶ے ابن الندیم، الفہرست، المطبعۃ الرحمانیہ، مصر، (بدون تاریخ) ص۲۵۳-۲۵۴، عبدالحلیم چشتی، ص۷۰-۷۱

۷ے عبدالحلیم چشتی، ص۷۱، الفہرست لابن الندیم، ص۵۲

۸ے عبدالحلیم چشتی نے جلال الدین سیوطی (بغیۃ الوعاۃ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے ہارون بن موسیٰ کو قراءت کے موضوع پر سب سے پہلا مصنف قرار دیا ہے اور یہ عبارت نقل کی ہے "وھو اول من تتبع وجوہ القراءات والفہا" (ص۷۱) لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ کتاب میں اصل عبارت یوں ہے "وھو اول من تتبع وجوہ القرآن والفہا" (مطبعۃ السعادہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ص۴۰۶)

۹ے عبدالحلیم چشتی، ص۷۱ (بحوالہ ابن الجزری کتاب النشر فی القراءات العشر)، الفہرست، ص۵۲، الاتقان، محولہ بالا، ۱/۷۵، کشف الظنون، ۲/۱۳۱۷

۱۰ے ابن الجزری، غایۃ النہایۃ، ۱/۲۵۵

۱۱ے غایۃ النہایۃ ۲/۳۲۱، کشف الظنون، ۱/۳۵۴، خیرالدین الزرکلی، الاعلام، دارالعلم للملایین، بیروت، ۱۹۷۴ء، ۷/۳۲۴-۳۲۵، راغب الطباخ، محولہ بالا، ۱/۲۲۲، سید سلیمان ندوی، مقالات سلیمان، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ۳/۷

۱۲ے ابن الجزری، غایۃ النہایۃ، ۲/۲۰، طاش کبری زادہ، مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۲۸ھ، ۱/۳۸۷-۳۸۹، احمد بن محمد المقری، نفح الطیب، مطبعہ سعادہ، مصر، ۱۹۴۹ء، ۲/۲۲۹-۲۳۲، الاعلام، ۵/۱۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۱۳؎ محمد بن عبد الرحمن السخاوی، الضوء اللامع، مکتبۃ القدسی، القاہرہ، ۱۳۵۵ھ، ۹/۲۵۵-۲۶۰ طاش کبری زادہ، محولہ بالا، ۱/۳۹۲-۳۹۷، الاعلام، ۷/۴۵-۴۶-

۱۴؎ تفصیل کے لیے دیکھئے اشہد رفیق ندوی، مکی بن ابی طالب اور ان کی تفسیری خدمات، ششماہی علوم القرآن (علی گڑھ)، ۳/۱-۲ (جنوری- دسمبر ۱۹۸۸ء)، ص ۷۲-۸۰ اور محمد اجمل اصلاحی، مکی بن ابی طالب کی مطبوعہ تصانیف- کچھ نئی معلومات، ششماہی علوم القرآن، ۴/۲ (جولائی- دسمبر ۱۹۸۹ء) ص ۱۰۵-۱۰۸-

۱۵؎ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ص ۳۵۲-۳۵۳، ابن بطوطہ، رحلہ ابن بطوطہ، القاہرہ ۱۹۵۸ء، ۲/۱۵، شیخ نور الحق، زبدۃ التواریخ، روٹو گراف ۱۸ (مخطوطہ برٹش میوزیم، ریسرچ لائبریری، شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ورق ۳ ب، شہاب الدین العمری، مسالک الابصار فی ممالک الامصار (انگریزی ترجمہ: اٹو اسپیس)، علی گڑھ، ۱۹۴۳ء، ص ۲۴-۲۵، ۳۹-۴۴

۱۶؎ ملاحظہ ہوں راقم السطور کے مقالات: علم قرآن عہد سلطنت کے ہندوستان میں، عہد اکبری کی تفسیری خدمات، علم قرآن سترھویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں، ششماہی علوم القرآن ۱/۲، ص ۱۱۸-۱۳۱، ۱/۳، ص ۱۱۲-۱۲۹، ۲/۱، ص ۷۴-۸۹ (بالترتیب)

۱۷؎ برنی، ص ۳۵۵، میر حسن سجزی، فوائد الفواد (تصحیح محمد لطیف)، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۶۲، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع محمدی دہلی، ۱۲۸۳ھ، ص ۹۴، سید محمد کرمانی، سیر الاولیاء، موسسہ انتشارات اسلامی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۵-۲۸۶

۱۸؎ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ (تحقیق و تصحیح ڈینی سن راس)، کلکتہ، ۱۹۲۷ء، ص ۲۱، تاریخ ہندوستان کے مصنف مولانا ذکاء اللہ نے سلطان قطب الدین ایبک کے تذکرہ میں لفظ قرآن خواں" سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ وہ حافظ ہو گیا (تاریخ ہندوستان شمس المطابع، دہلی، ۱۸۹۸ء، ۱/۲/۳۷) لیکن قرآن خواں سے حافظ قرآن مراد لینا صحیح نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس کی تعبیر اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والے سے کرنا زیادہ موزوں و قرین قیاس ہے جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا خیال ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۸۶)

۱۹؎ یحیی سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۴-۱۳۵، برنی، ص ۵۲۷،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، سنہ ۱۸۹۰ء، ص ۴۵۴ - ۴۵۵۔

۲۰ فہرست مخطوطات شیرانی، لاہور، سنہ ۱۹۶۹ء، ۲/۲۹۶، شیخ جلال الدین تھانیسری، رسالہ در بیع اراضی، مخطوطہ (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) شیفتہ کلکشن، ۲۴/۲۶، ورق ۵ ب

۲۱ فہرست مخطوطات فارسیہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (انگریزی) کلکتہ، سنہ ۱۹۲۴ء ص ۹۸-۹۹۔
فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس (انگریزی) مرتبہ ایتھ، آکسفورڈ، سنہ ۱۹۳۷ء، ۱/۱۶۱۰، ۲۹۷۱،
نیز دیکھیے راقم کا انگریزی مقالہ "فتاوای فیروز شاہی عہد سلطنت کی سماجی و معاشی تاریخ کے ایک ماخذ کی حیثیت سے" اسلامک کلچر، ۶۰/۲ (اپریل-جون سنہ ۸۶ء) ص ۹۸-۱۰۰

۲۲ فوائد الفواد، ص ۲۲۳، مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، سنہ ۱۹۴۴ء، ۱/۱۷۹

۲۳ شہاب الدین العمری، محولہ بالا، ص ۲۹

۲۴ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، ص ۳۵

۲۵ برنی، تاریخ فیروز شاہی (تصحیح شیخ عبد الرشید) علی گڑھ، سنہ ۱۹۵۷ء، ص ۱۲۰ (باقی تمام حوالے کلکتہ ایڈیشن کے ہیں)

۲۶ سید عبد الحئی الحسنی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق، سنہ ۱۹۵۸ء، ص ۱۱-۱۷، ابو الحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، دار المصنفین، اعظم گڑھ، سنہ ۱۹۳۶ء، ص ۸۹-۱۰۰۔
G.M.D. SUFI, AL-MINHĀJ (BEING THE EVOLUTION OF CURRICULUM IN THE MUSLIM EDUCATIONAL INSTITUTIONS OF INDIA), IDARA ADBIYAT-I-DILLI, DELHI, 1977, PP. 1-88

۲۷ اس مدرسہ پر تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں KHALIQ AHMAD NIZAMI, STUDIES IN MEDIEVAL INDIAN HISTORY, (CH. VI - A MEDIEVAL INDIAN MADRASAH), ALLAHABAD, 1966, P.P. 73-79

۲۸ سیرت فیروز شاہی، نقل (مخطوطہ اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور ۵۴۷)، مولانا آزاد لائبریری، یونیورسٹی کلکشن، نمبر ۱۱۱، ص ۱۲۷۔

۲۹ ڈاکٹر وحید مرزا، دیوان مطہر، اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، ۱۱/۳ (مئی سنہ ۱۹۳۵ء)، ص ۱۳۶-۱۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۳۰ے مولانا جمالی، سیر العارفین، مطبع رضوی، دہلی، ۱۳۱۱ھ، ص ۱۰۳، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ہندوستان میں علوم قرآنی کا نشوونما اور اسلامی معاشرہ پر اسکا اثر، معارف، ۱۴۴/۱ جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۵

۳۱ے سرور الصدور (ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوری)، مخطوطہ، ورق ۶۵ (بحوالہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا مذکورہ مقالہ، معارف، ۱۴۳/۶، جون ۱۹۸۹ء، ص ۴۲۰)

۳۲ے فوائد الفواد، ص ۲۶۱-۲۶۲

۳۳ے پروفیسر خلیق احمد نظامی، مضمون محولہ بالا، معارف جون، ۱۹۸۹ء، ص ۴۲۰

۳۳ے الف۔ فوائد الفواد، ص ۱۲۰، سیر الاولیاء، ص ۲۴۶

۳۴ے فوائد الفواد، ص ۲۷۵-۲۷۶، سیر الاولیاء، ص ۱۱۶، فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء، ص ۲۷۷-۲۷۸۔

۳۵ے سیر الاولیاء، ص ۱۱۷

۳۶ے حوالہ مذکور، ص ۳۲۶، مناظر احسن گیلانی، محولہ بالا، ۲/۱۶۰-۱۶۱

۳۷ے سیر الاولیاء، ص ۲۰۹

۳۸ے فوائد الفواد، ص ۳۲۳، اخبار الاخیار، ص ۴۹۔

۳۹ے برنی، ص ۳۵۵

۴۰ے سیر الاولیاء، ص ۱۰۰-۱۰۱، محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، حبیب گنج کلکشن، ۲۲/۵، اوراق ۴۶-۴۷، نزہۃ الخواطر، ۴/۵۹

۴۱ے رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۰ء، ص ۶۲، نزہۃ الخواطر، ۴/۱۱۱

۴۲ے اخبار الاخیار، ص ۲۱۲، نزہۃ الخواطر، ۴/۱۲۹

۴۳ے نزہۃ الخواطر، ۴/۲۱۷

۴۴ے عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵ء، ۲/۲۱

۴۵ے تذکرہ علماء ہند، ص ۱۶۶، نزہۃ الخواطر، ۴/۲۶۵-۲۶۶

۴۶ے بدایونی، ۳/۲۴

۴۷ے نزہۃ الخواطر، ۴/۱۳۱-۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۴۸ھ بدایونی، ۳/۶۳

۴۹ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۱۹۷

۵۰ھ بدایونی، ۳/۱۴۷، تذکرہ علمائے ہند، ص۱۶۴، غلام علی آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء، ص۱۹۷-۱۹۸،

۵۱ھ گلزار ابرار، اوراق ۲۳۰-۲۳۲، نزہۃ الخواطر، ۵/۴۱۱-۴۱۲، نیز دیکھئے راقم السطور کا محولہ بالا مقالہ، عہد اکبری کی تفسیری خدمات، ص۱۲۲

۵۲ھ ماثر الکرام، ص۶۶-۶۷، مناظر احسن گیلانی (محولہ بالا، ۱/۳۶۲) نے مولانا آزاد بلگرامی کے حوالہ سے ان کا نام ابوالمعالی لکھا ہے جبکہ مولانا آزاد نے بالصراحت قاری کا نام ابوالمعانی اور ان کے والد کا نام ابوالمعالی ذکر کیا ہے۔

۵۳ھ بختاور خاں، مراۃ العالم، مخطوطہ، ورق ۱۰۳ (بحوالہ ڈاکٹر شبیر احمد قادری، عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں، نظامی پریس، لکھنؤ، سنہ ۱۹۸۲ء، ص۲۲۱)

۵۴ھ ماثر الکرام، ص۲۳۹-۲۴۰، تذکرہ علمائے ہند، ص۹۸

۵۵ھ ماثر الکرام، ص۲۴۱۔

۵۶ھ ماثر الکرام، ص۲۸۹-۲۹۰، نزہۃ الخواطر، ۴/۱۷۳۔

۵۷ھ الثقافۃ الاسلامیہ فی الهند، محولہ بالا، ص۱۴۳، نزہۃ الخواطر، ۵/۲۰۶

۵۸ھ بدایونی، ۳/۲۴-۲۵، الثقافۃ الاسلامیہ (ص۱۴۴) میں شیخ محمد کے لڑکے شیخ سعدی کا سن وفات (۱۰۰۲ھ/۹۴-۱۵۹۳) غلطی سے ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے بدایونی، ۳/۲۵۔

۵۹ھ الثقافۃ الاسلامیہ، ص۱۴۴

۵۹ھ الف۔ بدایونی ۳/۲۴-۲۵ و نیز انگریزی ترجمہ، پٹنہ، سنہ ۱۹۷۳ء، ۳/۴۲

۶۰ھ ڈی، این، مارشل، مغلس ان انڈیا (ببلو گرافیکل سروے)، بمبئی، سنہ ۱۹۶۷ء، ص۳۸۲، نمبر ۱۴۲۶، فہرست مخطوطات فارسی کرزن کلکشن، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ص۲۳۵، نمبر ۳۴۱، فہرست مخطوطات عربی، فارسی و اردو، آصفیہ لائبریری، حیدر آباد، سنہ ۱۹۰۰ء، ۱/۳۰۸، الثقافۃ الاسلامیہ، ص۱۴۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۶۱ے مارشل، محولہ بالا، ص۳۹۶، نمبر ۱۴۸۰، فہرست مخطوطات فارسی کرزن کلکشن، محولہ بالا، ص۲۴۹، نمبر ۳۴۲

۶۲ے مارشل، ص۳۷۶، نمبر ۱۴۰۷، فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس، محولہ بالا، ۱/۱۴۷۰، نمبر ۲۷۰۵، فہرست مخطوطات آصفیہ لائبریری، ۱/۳۰۸

۶۳ے مارشل، ص۳۵، نمبر ۱۵۴، الثقافۃ الاسلامیہ، ص۱۲۴، فہرست آصفیہ لائبریری، ۱/۳۰۶، اسٹوری، پرشین لٹریچر، لندن ۱۹۲۷ء، ۱/۴۳۰، فہرست مخطوطات فارسی کرزن کلکشن، ص۲۴۹، نمبر ۳۴۳، مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، ضمیمہ سبحان اللہ ۲۹۷۶۱۱۱/۵ -

۶۴ے مارشل، ص۵۸، نمبر ۱۹۸، اسٹوری، ۱/۴۴

۶۵ے اس رسالہ کا ذکر ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی نے اپنی کتاب "عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں" (محولہ بالا، ص۲۵۲) میں کیا ہے، کسی اور ماخذ یا کتاب سے اس کی توثیق نہیں ہو پائی ہے۔

۶۶ے نزہۃ الخواطر، ۵/۳۹

۶۷ے مارشل، ص۲۲، نمبر ۶۴، اسٹوری، ۱/۴۳، معرفۃ القراءۃ کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے سبحان اللہ کلکشن (ضمیمہ سبحان اللہ ۲۹۷۶۱۱۱/۷) میں محفوظ ہے۔ علی گڑھ مخطوطہ کے برخلاف مارشل اور اسٹوری نے مصنف کا نام عبدالرحمن ذکر کیا ہے۔

آیات
(اسلامی معاشرہ میں سائنس کی بازیافت کا داعی)
سہ اشاعتی
سائنس کی تعمیر نو کا علمبردار بھی ہے اور
تاریخ فکر میں اقدار کی کارفرمائی کا نقیب بھی
انفرادی ۶۰ روپے (۳ شمارے سالانہ)
لائبریری وادارہ ۱۰۰ روپے (" " )
فی کاپی ۲۵ روپے
تاجروں کیلئے خصوصی رعایت
مرکز الدراسات العلمیہ
CENTRE FOR STUDIES ON SCIENCE
AL HOMERA MUZAMMIL MANZIL COMPLEX
DODHPUR ROAD ALIGARH

© rasailojaraid.com